

افادیت: حضرت مولانا سیح الحق صاحب مدظلہ العالی
ضبط و ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

درس ترمذی شریف

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال

ابواب البر والصلۃ

والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن و سلوک اور صلہ رحمی

باب الفضل فی رضا الوالدین والدین کی خوشنودی کی فضیلت

حدثنا ابن ابی عمر، حدثنا سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن المسلمی عن ابی الدرداء قال ان رجلا اتاه فقال ان لی امرۃ وان امی تامرنی بطلاقها فقال ابو الدرداء: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الوالد اوسط ابواب الجنة فان شئت فاضع ذلک الباب او احفظه، وربما قال سفیان ان امی وربما قال ابی۔

هذا حدیث صحیح۔ و ابو عبد الرحمن المسلمی اسامہ عبد اللہ بن حبیب ترجمہ: ہمیں ابن عمر نے روایت کی انہوں نے سفیان سے انہوں نے عطاء بن السائب سے انہوں نے ابو عبد الرحمن المسلمی سے انہوں نے حضرت ابو الدرداء سے، راوی کہتا ہے کہ ایک آدمی انکی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک بیوی ہے جس کے بارے میں میری والدہ مجھے حکم دیتی ہیں کہ میں اس کو طلاق دے دوں۔ تو حضرت ابو الدرداء نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے وہ فرما رہے تھے کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اگر تم چاہو تو اسے گنوا بیٹھو اور چاہو اس کا لحاظ رکھو اور اس کی حفاظت کرو۔ سفیان نے کبھی کہا کہ میری ماں اور کبھی کہا کہ میرا باپ۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ابو عبد الرحمن المسلمی کا نام عبد اللہ بن حبیب ہے۔

حدثنا ابو حفص عمرو بن علی، حدثنا خالد بن الحارث عن شعبۃ عن یعلیٰ ابن عطاء عن ابیہ عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی ﷺ قال: رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد

ترجمہ: ہمیں ابو حفص عمرو بن علی نے روایت کی، انہوں نے خالد بن الحارث سے، انہوں نے شعبہ سے، انہوں نے یعلیٰ بن عطاء سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پروردگار کی خوشنودی اور رضا والد کی خوشنودی اور ضامیں ہے اور پروردگار کی ناراضگی اور خط والد کی ناراضگی اور خط میں ہے۔

حدثنا محمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبه عن يعلی بن عطاء عن ابيه عن عبد الله بن عمرو نحوه ولم يرفعه، هذا اصح وهكذا روى اصحاب شعبه عن شعبه عن يعلی عن ابيه عن عبد الله بن عمرو موقوفاً ولا نعلم احداً رفعه غير خالد بن الحارث عن شعبه وخالد بن الحارث ثقة مامون، سمعت محمد بن المثنی يقول: ما رأيت بالبصرة مثل خالد بن الحارث ولا بالكوفة مثل عبد الله بن ادریس وفي الباب عن ابن مسعود ترجمہ: ہمیں محمد بن بشار نے روایت کی، انہوں نے محمد بن جعفر سے، انہوں نے شعبہ سے، انہوں نے یعلیٰ بن عطاء سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے لیکن اس روایت کو انہوں نے مرفوع ذکر نہیں کیا، یہ زیادہ صحیح ہے، اسی طرح شعبہ کے تلامذہ نے ان سے اور انہوں نے یعلیٰ سے انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے موقوفاً روایت کی ہے، اور ہم نہیں جانتے کہ خالد بن الحارث کے علاوہ کسی دوسرے شاگرد نے شعبہ سے مرفوعاً حدیث روایت کی ہو، اور خالد بن الحارث ثقہ اور مامون ہے۔ میں نے محمد بن المثنی سے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے بصرہ میں خالد بن الحارث اور کوفہ میں عبداللہ بن ادریس جیسا کسی کو نہیں دیکھا اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی روایت مروی ہے۔

تشریح:

امام ترمذی اس باب میں والدین کے ساتھ احسان، حسن سلوک اور نیکی کرنے کی اہمیت کو واضح کرنا چاہتے ہیں اور اس کے ثبوت پہلو کو بیان کر رہے ہیں کہ والدین کو راضی رکھنا کتنی فضیلت اور اجر و ثواب کا باعث ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور آپؓ سے عرض کرنے لگا کہ میری ایک بیوی ہے، میری والدہ مجھے اس بات کا حکم دیتی ہے کہ میں اس کو طلاق دے دوں، میری والدہ کو اپنی بہو پسند نہیں (ساس اور بہو کی رشتہ کشی ہر دور میں چلی آ رہی ہے اور ان کے اختلافات تقریباً ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں) میں اس معاملہ میں آپؓ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں مجھے صحیح مشورہ اور شریعت کا حکم بیان فرمائیں۔ تو حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا، سوچ لو میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے۔ چاہے اس کو اختیار کر کے جنت میں داخل ہو جاوے یا اس کو ترک کر کے جہنم میں داخل ہو جاوے۔ لہذا اگر آپ والدہ کا حکم مانیں گے اور وہ کسی طرح زیادتی نہ کرتی ہو اور آپ اپنی منکوحہ میں وہ

عیوب دیکھتے ہوں جسکی بنا پر تمہاری والدہ ناراض ہے تو پھر اپنی والدہ کی بات مان کر اس کو طلاق دے دو۔

اوسط ابواب الجنة:

اوسط کے معنی ہے درمیان کے۔ یہاں مراد اختصار ہے کہ جنت کا آسان اور مختصر ترین راستہ والد کی رضا ہے اس کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ رسول کریم ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم اس راستے کو استعمال کرو گے تو جنت تک جلد رسائی ہوگی۔ اور اگر اس کو ضائع کرو گے تو پھر جنت سے محروم رہ جاؤ گے۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ الجنة تحت اقدام الامہات کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حقیقی طور پر جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ماں کی اطاعت اور اس کی اتباع میں جنت ہے۔

اعتراض: یہاں یہ اشکال ضرور واقع ہوگا کہ سائل نے تو کہا تھا کہ اذامی قاهرنی الخ کہ میری

ماں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں۔ اور حضرت ابوالدرداءؓ نے جواب میں فرمایا کہ الوالد اوسط ابواب الجنة الخ کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے تو سوال وجواب میں ظاہری تعارض ہے۔

الجواب (۱) تو اس تعارض کا حل یہ ہے کہ یہاں والد سے مراد صرف والد نہیں بلکہ (من له وصف

الولادة) جس میں پیدا کرنے کی صفت موجود ہو تو وصف ولادت جس طرح ماں کو حاصل ہے اسی طرح والد کو بھی حاصل ہے تو والد کا ذکر والدہ پر بھی دلالت کرتا ہے۔ جیسے عاقلہ کی دلالت عاقل پر۔ متنبی کہتا ہے عدل العوازل حول قلب التائه۔ جس طرح ملامت کرنیوالی عورت ہوتی ہے اسی طرح مرد بھی ملامت کر ہو سکتا ہے تو عوازل جس طرح عاقلہ پر دال ہے تو اسی طرح عاقل پر بھی دال ہے کہ ملامت کرنے والا مرد ہو یا عورت مراد اس سے ملامت گریبی ہے یعنی جسمیں صفت ملامت پائی جائے تو یہاں بھی الوالد سے مراد من له وصف الولادة مراد ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں والد تو عبارة النص سے ثابت ہو اور ولادة النص سے ثابت ہوئی یعنی کہ جاؤ اور اپنی والدہ کے حکم کی تعمیل کرو۔

(۳) اگر سفیان کی روایت ان ابی یا مرنی کو دیکھا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں۔

رضا الرب فی رضا الوالد و سخط الرب فی سخط الوالد یعنی پروردگار کی رضا اور خوشنودی باپ کی رضا اور خوشنودی میں ہے اور پروردگار کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے اس لئے والد کے احسانات و انعامات محسوسات میں سے ہیں۔ اور بیٹا ہر وقت اس کو دیکھتا رہتا ہے اسے محسوس کرتا ہے جب بیٹے نے باپ کے احسانات کا پاس نہ رکھا تو وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات کا کیسے پاس رکھے گا جو محسوس نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ بندہ جب اپنے باپ کا فرما نہ دار اور تابعدار نہیں بناتا تو وہ میرا کیسا تابعدار اور فرمانبردار بنے گا۔ کہ

من لم يشكر الناس لم يشكر الله (الحدیث)

باب ماجاء فی عقوق الوالدین والدین کی نافرمانی کرنا

حدثنا حمید بن سعید ، حدثنا بشر بن المفضل ، حدثنا الجریری عن عبد الرحمن بن ابی بکر عن ابیہ قال : قال رسول اللہ ﷺ ألا احذرتکم باکبر الكبائر؟ قالوا بلی یا رسول اللہ قال : الاشراک باللہ وعقوق الوالدین ، قال : وجلس وکان متکئاً قال : وشهادة الزور او قول الزور ، فما زال رسول اللہ ﷺ یقولها حتی قلنا لیتہ سکت وفي الباب عن ابی سعید

هذا حديث حسن صحيح و ابو بكرة اسمه نفع

ترجمہ: ہمیں حمید بن سعید نے روایت کی انہوں نے بشر بن المفضل سے انہوں نے جریری سے انہوں نے عبد الرحمن بن ابی بکر سے انہوں نے اپنے والد سے اور آپ کے والد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اکبر الکبائر سے آگاہ نہ کروں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر آپ ﷺ بیٹھ گئے۔ حالانکہ آپ ﷺ تکیہ لگائے ہوئے تھے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی یا جھوٹی بات رسول اللہ ﷺ بار بار اسی جملے کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش آپ ﷺ سکوت فرمائیں۔

اس باب میں حضرت ابوسعید الخدریؓ سے بھی روایت مروی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابو بکر کا نام نفع ہے۔

حدثنا قتیبہ ، حدثنا الليث بن سعد عن ابن الہاث عن سعد بن ابراہیم عن حمید بن عبد الرحمن عن عبد اللہ بن عمر وقال : قال رسول اللہ ﷺ من الكبائر ان يشتم الرجل والديه قالوا : يا رسول اللہ وهل يشتم الرجل والديه ؟ قال : نعم يسب ابا الرجل فيسب اباہ ويشتم امہ فيشتم امہ۔ هذا حديث صحيح ترجمہ: ہمیں قتیبہ نے روایت کی انہوں نے لیث بن سعد سے انہیں ابن الہاث سے انہوں نے سعد بن ابراہیم سے انہوں نے حمید بن عبد الرحمن سے انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے کہ کوئی اپنے والدین کو گالی دے صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دے گا؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ایک آدمی دوسرے کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا یہ اس کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

ابواب البراءة عن ابیہ قال : قال رسول اللہ ﷺ

بر الوالدین کہ والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس باب میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد اور دیگر عبادات پر اہمیت اور ترجیح دی اور ان کو سب پر مقدم کیا۔ اب اس کا منفی پہلو بیان کیا جا رہا ہے تو اس باب میں عدم بر یعنی والدین کے ساتھ بدسلوکی اور ان کی نافرمانی کا بیان ہے۔

(۱) العقوق: عقوق بمعنی قطع بقطع یعنی صلہ رحمی کا خاتمہ اس کو قطع کرنا والدین کے ادب و احترام اور عظمت کو پامال کرنا وغیرہ سب حقوق میں داخل ہیں۔

عن ابیہ قال: قال رسول اللہ ﷺ الا احذتکم باکبر الکبائر۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اکبر الکبائر سے خبردار نہ کروں۔

بخاری شریف میں اس کیساتھ ثلاثاً کا لفظ زیادہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی عادت کے مطابق تین بار اہتمام کیلئے اور سامع کو خبردار کرنے کیلئے الا احذتکم باکبر الکبائر فرمایا تاکہ سامعین ہمہ تن گوش ہو کر آگے والا جملہ سن لیں کبائر: کبیرہ کی جمع ہے۔ کبیرہ کے معنی ہے بڑا گناہ۔

گناہوں کے اقسام:

جمہور علماء اور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں بعض کبائر ہیں اور بعض صغائر البتہ ابواسحاق الاسفرائینی فرماتے ہیں کہ گناہ سارے کے سارے کبیرہ ہیں ان میں کوئی صغیرہ نہیں اور ان کے علاوہ بھی یہی کہتے ہیں کہ گناہ سارے کے سارے کبیرہ ہیں البتہ ان میں طبقات ہیں بعض زیادہ کبیرہ ہیں اور بعض اس سے کچھ کم اس لئے ان کو صغیرہ کہا گیا۔

کبائر کی تعداد: اصل بات یہ ہے کہ کبائر کی کوئی تحدید نہیں بعض صغائر بھی بعض حالات میں کبیرہ بن جائے اگرچہ علماء امت نے کبائر کی تعداد پر بہت رط کے ساتھ کلام کیا ہے۔

علامہ ذہبی اور دوسرے علماء نے کبیرہ گناہوں پر مستقل کتابیں لکھی ہیں مگر یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ یہاں اکبر الکبائر کہنے سے حصر مراد نہیں کہ بس یہ تین اکبر الکبائر ہیں اور باقی نہیں ان تینوں کے علاوہ اور بھی کبیرہ گناہ ہیں جو دوسری روایات میں مذکور ہیں مثلاً حضرت انسؓ کی روایت میں قتل النفس کو اکبر الکبائر میں شمار کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں پڑوسن کے ساتھ زنا کو بعض روایت میں بیہن غموس کو بعض میں دوسرے افعال کو بھی اکبر الکبائر میں شمار کیا گیا ہے لہذا یہ الفاظ حصر کے لئے نہیں۔

الاشراک باللہ: اشراک باللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات و صفات میں کسی کو شریک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ کو دوسروں کیلئے ثابت کر کے ان کو اللہ کے ساتھ صفات میں شریک کرنا جیسا عربوں میں عام دستور تھا۔

۲۔ عقوق الوالدین:

دوسرے عقوق الوالدین یعنی والدین کے ساتھ برائی کرنے کا انفرادی

کیا ہے اور اسی وجہ سے باب اور ترجمہ الباب کے مابین تعلق ہے۔ حقوق عین کے ضمہ کے ساتھ حق سے مشتق ہے حق کا معنی قطع کرنا یعنی بیٹے کا والدین کے سامنے کوئی ایسی بات کرنا یا ان کے سامنے کوئی ایسا عمل کرنا جس سے والدین کو تکلیف ہوتی ہو اور وہ اس پر ناراض ہوتے ہوں حقوق الوالدین میں داخل ہے۔ علامہ ابن عطیہ نے فرمایا ہے کہ مباح امور کے کرنے اور مباح کاموں کے ترک کرنے میں والدین کی اطاعت کرنا واجب ہے اور مندوبات اور فرض کفایہ میں ان کی اطاعت کرنا مستحب ہے البتہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت کے کاموں میں ان کی بات ماننا ضروری نہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ لا طاعة للمخلوق فی معصیة الخالق (الحدیث) جن کاموں پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہوں وہ گناہ کے کام ہیں ان کاموں میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت اور فرمانبرداری نہیں ہوگی اگرچہ وہ انکے والدین کیوں نہ ہوں۔

۳۔ شہادۃ الزور:

تیسرا ان اکبر الکبار میں شہادۃ الزور یعنی جھوٹی گواہی دینا ہے۔ شہد کے معنی ہے حاضر ہونا شہاد کو شہاد اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس عمل کے وقت حاضر ہوتا ہے اور اپنی چشم دید احوال قاضی کے سامنے بیان کرتا ہے شہید کو شہید بھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے دین کی حقانیت پر اپنی جان دے کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کر دیا۔

حق گوئی کی ترغیب:

قرآن کریم اور دیگر احادیث میں حق کی گواہی کی بہت ترغیب آئی ہے۔ اعدلوا هو اقرب للتقوی ولا تکتھموا الشھادۃ ومن یکتھمھا فانھ آثم قلبہ النخ اس کے برخلاف جھوٹی گواہی ہے اسلام نے اس کو شہادۃ الزور سے تعبیر کیا ہے۔ تو اس لئے رسول اللہ ﷺ نے شہادۃ الزور کو بڑے اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا ہے اول تو آپ ﷺ تکلیف لگائے ہوئے تھے اور الاثر اک بالندہ و حقوق الوالدین کو اسی حالت میں بیان فرمایا پھر اہتمام کے لئے بہت بدل کر تکلیف چھوڑ کر بیٹھ گئے اور بار بار فرمایا کہ شہادۃ الزور شہادۃ الزور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اہتمام کی کیا وجہ تھی آپ نے اس کو اتنے اہتمام کے ساتھ کیوں بیان فرمایا؟

شہادت کی اہمیت:

تو یہ اس لئے کہ تمام دنیا کا نظام شہادۃ پر ہے اگر گواہی درست اور صحیح ہو تو نظام درست اور صحیح ہوگا اور اگر گواہی درست اور صحیح نہ ہو تو تمام نظام درہم برہم ہوگا۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے جس میں اشھد ان لا الہ الا اللہ النخ کا ذکر ہوتا ہے اور جب بالغ ہو جاتا ہے تو وہ کلمہ شہادۃ کا ورد اپنی زبان پر لاتا ہے اس کے بعد اس کو مسلمان سمجھا جاتا ہے اگر وہ اس شہادۃ کا اقرار نہ کرے اور دنیا سے چلے بے تو وہ اس دنیا سے کافر اور مرتد ہے۔ حق نظر آئے اس کا اعلان کرنا تو گویا

اسی شہادۃ یعنی حق کے ساتھ وابستگی پر حقوق اللہ، حقوق العباد اور روحانی نظام کا قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وکیف اذا جنننا من کل امة بشہید وجننا بک علی ہولاء شہیداً اور ایک اور مقام پر ارشاد ہے انا ارسلنا الیکم رسولاً شاہدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً (الایۃ) تو ان آیات میں شاہد اور شہید کا ذکر ہے کسی نے اس پر بہت بحث کی ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا مثلاً زکوٰۃ دنیا، روزہ رکھنا، حج کرنا وغیرہ سب شہادت ہی ہیں اس سے زیادہ اہم شہادت یہ ہے کہ آدمی اپنی جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرے یہ سب سے بڑی شہادت ہے لوگ اس کو شہید کہتے ہیں اس لئے کہ اس نے حق کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا شہید کا معنی ذبح کرنا نہیں بلکہ یہ حق اور صداقت کی گواہی ہے شاعر کہتا ہے

یہ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے جان تک دے دی لیکن پھر بھی اس کا حق ادا نہ ہوا تو اسلام نے ایسے شخص کا نام شہید رکھا۔ لہذا پتہ چلا کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی شہادت پر ہے اگر گناہ میں کمی کی گئی صحیح طریقے سے گواہی نہ دی گئی تو سارا نظام برباد ہو جائے گا۔

شہادت اور موجودہ نظام:

آج کل کی بتائی و برہادی اس شہادۃ الزور کی مرہون منت ہے لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر گواہی دیتے ہیں اس سے قاتل کو بے گناہ اور سبے گناہ کو قاتل قرار دیتے ہیں اس جھوٹی گواہی سے مجرم کو سزا سے بچاتے ہیں وکلاء اس شہادت الزور کے علمبردار ہیں وہ اس شہادۃ الزور سے حق کو جھوٹ اور جھوٹ کو حق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں عدالت میں حق کو منسوخ کرنے اور باطل کو ظاہر کرنے پر تیار ہوتا ہے۔ تو وہ اس جھوٹی شہادت سے ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بنا دیتا ہے آج کل تمام عدالتی نظام اسی شہادۃ الزور پر قائم ہے۔ پاکستان کے جملہ مسائل نظام عدل کی خرابی کی وجہ سے ہے اور نظام عدل کی خرابی کی وجہ شہادۃ الزور ہے۔ جج صاحب کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ آدمی جھوٹی گواہی دیتا ہے اس کو کرایہ پر لایا گیا ہے بعض لوگ تو عدالتوں میں اس لئے جاتے ہیں کہ وہاں اگر کسی کو گواہی کی ضرورت ہو تو وہ گواہی دے کر اس سے ۵۰۰ روپے خرچہ وصول کرتے ہیں۔ یہاں ہمارے اکوڑہ خٹک میں ایک صاحب ہیں، میں تقریباً ہر جگہ امریکہ، برطانیہ اور جہاں بھی مجھے وکلاء کے سامنے تقریر کرنی ہوتی ہے ان کی مثال پیش کرتا ہوں وہ پنجپارے شرم کے مارے سر نیچے کئے ہوتے ہیں اس دور میں ہر گاؤں کے اندر ایسے افراد موجود ہیں وہ صبح سویرے کچہری میں اجرت پر جھوٹی گواہی دینے کے لئے جاتا ہے اور شام کو دوسو تین سو سی عمل قبیح کے ذریعے کماتا ہے۔ یہی ایک آدمی روزانہ عدالت میں جج کے سامنے جا کر گواہی دیتا ہے اور جج صاحب اسی گواہی پر فیصلہ کرتا ہے حالانکہ اس کو پتہ ہے کہ یہ آدمی کرائے کا گواہ ہے اس کی گواہی جھوٹی ہے مگر اسے فائل کو بھرتا ہے

سندات جعلی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کا حکم:

اس کے علاوہ آج کل شناختی کارڈ، پاسپورٹ وغیرہ چند پیسے لے کر بنائے جاتے ہیں۔ سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کی ڈگریاں ۵۰۰ اور ہزار روپیہ پر فروخت کی جاتی ہیں اور ایک نا اہل کو اس ڈگری کا اہل قرار دیا جاتا ہے۔ افسوس اور صد افسوس کہ یہ مرض آج کل مدارس دینیہ تک بھی پہنچ چکا ہے دس بیس روپے پر حفظ اور فارغ التحصیل کی سند جاری کی جاتی ہے۔ پھر لوگ اس شخص پر عالم ہونے کا اعتماد کرتے ہیں حکومت میں اس کو نوکری ملتی ہے حالانکہ مدرسے کی سند پر لکھا ہوا ہوتا ہے الشهادة العالمية الشهادہ لحفظ القرآن الکریم تو جب یہ سند کسی غیر عالم یا نا اہل کو دی جائے تو یہ بھی شہادۃ الزور ہے لہذا اگر دارالعلوم حقانیہ کسی نا اہل کو سند دے دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص قرآن و سنت کی ترجمانی کر سکتا ہے تو گویا اس نے عالم کو برباد کیا۔

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ ڈالنا بھی شہادت ہے جس کو تم ووٹ دینا چاہتے ہو تو گویا تم اس کے بارے میں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ وہ اس منصب کا اہل ہے۔ حالانکہ وہ اس منصب کا اہل نہیں ہوتا گویا تم نے شہادۃ الزور کا ارتکاب کیا۔ اگر لوگ صحیح اور درست گواہی دیتے تو کیا نظام حکومت برباد ہوتا کبھی نہیں آج کل تو لوگ ۵۰، ۴۰ روپے کے عوض، فساق و فجار اور غلط آدمی کے حق میں ووٹ ڈالتے ہیں اس غلط طریقہ کار سے جب ایک طرف ۵۰ ووٹ کسی اہل کے حق میں استعمال ہو جاتے ہیں اور ۵۱ ووٹ کسی نا اہل کے حق میں، تو بے نظیر اور مجیب الرحمن کی صورت میں نا اہل ہمارے اوپر حکمران بن جاتے ہیں اس ایک ووٹ کے اضافے کی وجہ سے مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہوا، وہاں ہزاروں لاکھوں لوگ قیدی اور غلام ہوئے یہ ساری تباہی اور بربادی اس غلط شہادۃ کی وجہ سے ہمارے اوپر آئی تو اس لئے رسول اللہ ﷺ نے شہادۃ الزور کو بہت اہتمام کے ساتھ ذکر کیا۔

محدثین عظام نے اس توجیہ کے علاوہ اور بھی وجوہ اہتمام ذکر کیا ہے چنانچہ علامہ ابن وفقی العید فرماتے ہیں کہ چونکہ شہادۃ الزور میں لوگوں کا جملہ ہونا آسان ہے اور مفاسدات زیادہ ہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس کو اہتمام کے ساتھ ذکر کیا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ شہادۃ الزور اس لئے ہوتا ہے کہ کسی کی جان چلی جائے اس کا مال چھینا جائے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا جائے، کبائر میں سے زیادہ ضرر رساں اور فساد سے برا اثر اک باللہ کے بعد کوئی عمل نہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس کو اہتمام کے ساتھ ذکر کیا تا کہ فساد کی جڑ کو ختم کریں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شہادۃ الزور سے مراد اس روایت میں کفر ہے اس لئے کافر نے جھوٹی گواہی دی۔ مگر علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے یہ توجیہ ضعیف ہے۔

قلنا لیتہ سکت: یعنی رسول اللہ ﷺ شہادۃ الزور بار بار فرما رہے تھے ہم میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ کاش رسول اللہ ﷺ اب کلمہ (اعمال) میں لکھ دیتے کہ بار بار کہنا اس لئے تھا کہ صحابہ کرام کے

ذہنوں میں جھوٹی گواہی کی قباحیت بیٹھ جائے اور سمجھ جائیں کہ جھوٹی گواہی کتنی بری عادت ہے۔ مشفق استاذ اسی طرح کرتے ہیں کہ وہ مشکل اور مبہم بالشان مقام کو مختلف پیرایوں سے اپنی بات کو بار بار دہراتے ہیں اس غرض سے کہ میرے تلامذہ اور شاگرد اس کو سمجھ لیں۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا کاہکی طریقہ تھا کہ اگر تم لوگ آپ کی ترمذی کی تقریر ٹیپ سے سنیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مولانا ترمذی کے مشکل ترین مقامات کتنی بار آسان اور جامع الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ کہ وہاں ایک گنوار اور ان پڑھ بھی اس مشکل مقام کو سمجھ جاتا ہے تو صحابہ کرام بھی چونکہ آنحضرت ﷺ کے تلامذہ ہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس کے سمجھانے کے لئے بار بار شہادۃ الزور کا ذکر کیا چونکہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے اس اہتمام سے سمجھ چکے تھے اسلئے انہوں نے آرزو ظاہر کی آپ ﷺ سکوت اختیار کریں اور مزید مشقت میں نہ پڑیں اس توجیہ کی وجہ سے آپ ﷺ کے بار بار کہنے کا مقصد سمجھانا تھا کہ لوگوں کو شفقت سے سمجھایا جائے۔ قرآن کریم نے اسی طریقے سے لوگوں کو سمجھایا ہے صرف آئین دے کر ڈنڈے کے زور سے نہیں سمجھایا، اللہ تعالیٰ ہزاروں ماں باپ سے زیادہ شفیق ہے قرآن کریم ایک بات کو سمجھانے کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتا ہے۔ دنیاوی آئین تو شارٹ کٹ الفاظ کہہ کر اپنا حکم لوگوں پر لاگو کر کے اس کو ڈنڈے کے زور سے نافذ کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ڈنڈے اور زور سے زیادہ رحمت و شفقت سے لوگوں کو سمجھاتا ہے۔ اور ان پر اپنے احکام نافذ کرتا ہے۔

قرآن احکام و واقعات میں تکرار کی وجہ:

بعض لوگوں کا کہنا کہ قرآن کریم میں کوئی فصاحت نہیں اسلئے کہ وہ ایک بات کو بار بار دہراتا ہے جو فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے یہ لوگ جاہل ہیں وہ اس تعریف کے مقصد کو نہیں سمجھ سکتے۔ قرآن کریم کا بار بار کسی وجہ یا کلام کو ذکر کرنے کے مقاصد پر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بڑی حکیمانہ طریقے سے لوگوں کو سمجھایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھے باپ نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جان کو اہے۔ پھر باپ نے پوچھا کہ کیا؟ تو بیٹے نے کہا کہ کو اہے پھر تھوڑی دیر بعد باپ نے پوچھا کہ یہ کیا؟ تو بیٹے نے کہا کہ دیکھتے نہیں ہو یہ کو اہے۔ پھر کچھ تھوڑی دیر کے بعد پھر باپ نے پوچھا کہ بیٹا یہ کیا ہے تو بیٹے نے غضبناک لہجے میں کہا کہ جاؤ آرام سے بیٹو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تمہیں سمجھ میں کچھ نہیں آتا تو باپ اٹھ کر کمرے میں چلا گیا وہاں کبے (صندوق) سے ایک سلیٹ نکالا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا تم بہت چھوٹے تھے اور اسی جگہ کو بیٹھا تھا میرے ہاتھ میں سلیٹ اور سلیٹی تھی تو تم نے مجھ سے پوچھا کہ بابا یہ کیا ہے میں نے جواب دیا کہ کو اہے۔ تم نے پھر پوچھا میں نے جواب دیا تم نے پھر پوچھا میں نے جواب دیا اور ہر بار سوال کرنے پر میں سلیٹ پر نشان لگاتا رہا یہاں تک کہ تم نے سو بار پوچھا اور میں نے سو بار بڑی شفقت سے جواب دیا۔ کسی سوال پر میرے لہجے میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ہر بار جواب دینے سے شفقت بڑھتی گئی۔ آج میں نے تم سے پوچھا تو تم چوتھی بار جواب دینے پر غضبناک ہو گئے۔ تو حضرت تھانویؒ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بار بار کہنے کو مقرر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سمجھانا چاہتا ہے۔

یا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بار بار کہنے سے حالت بدلتی رہی اور ہر بار کہنے سے چہرے پر غصے اور ناراضگی کے آثار ظاہر ہوتے رہے اس لئے صحابہ کرام نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش آپ ﷺ خاموش ہو جائیں اور آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور ہم عتاب میں نہ آجائیں۔

من الکباثر ان يشتم الرجل والديه الخ اس روایت میں بیان ہوا ہے کہ اپنے والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے گالی دینا صرف یہ نہیں کہ کوئی شخص اپنے والدین کو خود ان کے سامنے گالی دے بلکہ دوسرے کے والدین کو گالیاں دینا بھی ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ اپنے والدین کو گالیاں دینا۔ اسلئے کہ جب اس نے دوسرے کے والدین کو گالی دی تو وہ جواباً اسکے والدین کو گالی دے گا اس شخص نے دوسرے کو اس کے والدین کو گالیاں دینے پر برا ہیختہ کیا اور اس کو مجبور کیا۔

بقیہ صفحہ نمبر ۲۴ سے : سائنسی علوم اور قرآن کا نظریہ علم

وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل لكلماته ' وهو السميع العليم (انعام: ۱۱۰)

”اور تیرے رب کی بات پوری ہوئی، کیا بلحاظ سچائی اور کیا بلحاظ اعتدال، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ وہی سننے اور جاننے والا ہے۔“

نظام فطرت کے بعض رموز و اسرار: لہذا ہمیں بے خوف و خطر ہو کر تجرباتی سائنس اور تجرباتی حقائق کی روشنی میں نظام کائنات، سے متعلق قرآنی رموز و اسرار کو منظر عام پر لانا چاہیے تاکہ نوع انسانی کلام الہی کے روشن چہرے کا نظارہ کر کے اس کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کر سکے۔ واضح رہے تجرباتی علوم سے مراد وہ سائنسی حقائق یا اس کے وہ کلی نتائج ہیں جو استقرائی طور پر ثابت شدہ ہیں اور جنکو دنیا نے سائنس میں مسلمہ و مصدقہ حقائق کی حیثیت حاصل ہے اور جو ”قوانین قدرت“ کا درجہ حاصل کر چکے ہیں، بخلاف ظنی و قیاسی نظریات و مفروضات کے اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے ورنہ اشکالات سے چھکارا نہیں مل سکتا۔ اب اگلے صفحات میں اس سلسلے کے بعض حقائق و معارف پیش کئے جاتے ہیں ان حقائق و معارف کی کئی قسمیں ہیں چنانچہ بعض مواقع پر چند مظاہر فطرت کا تذکرہ کرنے کے بعد کہہ دیا جاتا ہے کہ ان مظاہر میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ جبکہ مطلوبہ نشانیوں کا استنباط کرنا علماء و مفسرین کی فکر و بصیرت پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ اس قرآنی چوکھٹے کے اندر رنگ بھریں اور خدا کی منشا و مقصد کے مطابق اپنے اپنے دور کے علمی تصورات کے پیش نظر نئے نئے دلائل منظر عام پر لائیں اسی طرح کبھی اشارتاً اور کبھی صراحتاً بعض مظاہر قدرت میں موجود حقائق کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ انسان ان عجائب قدرت کو عبرت و بصیرت کی نگاہ سے دیکھے اس قسم کے بعض عجائب وہ ہوتے ہیں جو سائنسی علوم کی ترقی کے باعث خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں یعنی قرآنی الفاظ کا مفہوم بغیر کسی تاویل کے صاف صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض حقائق تشبیہات و استعارات کے روپ میں بھی مرقوم ہیں اور بعض حقیقت و مجاز کے طور پر۔ بہر حال اس موقع پر قرآنی حقائق اور اسکے رموز و اشارات کی چند قسمیں اصولی طور پر پیش کی جاتی ہیں جسے علامہ محمد امجد علی صاحبہا نے ایک علمی روشنی پڑتی ہے۔ (جاری ہے)